(غلام گردش)

مائیں اتنی جلدی چلی کیوں جاتی ہیں!

چندسال پہلے،صرف کچھ برس پہلے ،انہی دنوں میں والدہ کاانتقال ہواتھا۔اس وقت سے آج تک زندگی کامحورختم ساہوکررہ گیاہے۔کوئی گھڑی ایسی نہیں،کوئی پَل ایسانہیں جس وقت دھیان اپنی والدہ کی طرف نہ جاتاہو۔اپنوں سے بچھڑنا بھی کتنا عجیب غم ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ کم ہونے کی بجائے،مزید بڑھنے اور گہراہونے والا دکھ۔طبیعت میں بھی بے حدفسوں غالب آچکاہے۔میرے لیے یہ سب کچھ بہت مشکل ہے۔بہت مشکل۔

لوگ خداکو"مقام مقدسہ"میں تلاش کرتے ہیں۔عمرے کرتے ہیں۔حج پر جاتے ہیں۔مگرمیں تورب کوزمین پرتلاش کرتاہوں۔ حجاز جانے والے بھی ٹھیک ہیں اورشائدمیرے جیسے گناہ گاربھی۔پختہ یقین ہے کہ خدا،اپنے بندوں کے ذریعے عام لوگوں کیلئے آسانیاں پیداکرتاہے۔موجودگی کااحساس دلاتاہے۔سوچ کربتایئے کہ ماں سے بڑھ کراللہ کی قدرت کہاں اس خوبصورتی سے موجزن ہوتی ہے۔شائدکہیں بھی نہیں۔کہیں اورہوبھی نہیں سکتی۔ماں جی نے بڑی مشکل اورصبرآزمازندگی گزاری۔مگرایک لحاظ سے شانداراوربہت بامقصد۔تقسیم ہندسے پہلے ہندوستان میں خواتین میں تعلیم حاصل کرنے کاکوئی خاص شعورنہیں تھا۔لڑکیوں کوزیادہ سے زیادہ دینی تعلیم دینے کے بعدسمجھاجاتاتھاکہ انکی تعلیم مکمل ہوگئی۔بس اب شادی کرنی ہےاورپھرگھرگھرستی۔یہ طورطریقہ برصغیرمیں صدیوں سے جاری تھا۔مگرچندمسلم خواتین نے اس نظریہ کوتسلیم نہیں کیا۔ان خواتین نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اورچھ سات دہائیاں پہلے علم کی روشنی ہرجگہ پھیلانے میں مصروف ہوگئیں۔میری والدہ انہی خواتین میں سے ایک تھیں۔میری عمرکے لوگوں کوبچپن میں یادہوگاکہ اکثرخواتین،حضرات اپنے نام کے بعد"ڈگری اورعلیگ"کالفظ استعمال کرتے تھے۔اس سے صرف یہ ظاہرکرنامقصدہوتاتھاکہ وہ علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔پورے برصغیرمیں علی گڑھ یونیورسٹی واحدمستندتعلیمی ادارہ تھاجس میں مسلمان مردوں اوربالخصوص خواتین کوزیورِتعلیم سے آراستہ کرنے پربے حدزوردیاجاتاتھا۔اگردیکھاجائے توپاکستان حاصل کرنے کی جدوجہدمیں علی گڑھ کے طلباء کالازوال کردارتھا۔مجھے آج بھی شوق ہے کہ اس عظیم درسگاہ کوجاکردیکھوں۔دیکھناشائدمناسب لفظ نہیں۔زیارت کروں۔میری والدہ اسی یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ تھیں۔"بوٹنی" Botanyمیں ایم۔ایس۔سی کی ہوئی تھی۔کبھی کبھی بتاتی تھیں کہ علی گڑھ کے نزدیک"بلندشہر"نام کی ایک جگہ تھی۔میری ننھیال وہیں پرمقیم تھی۔ان قصبوں میں بجلی نہیں تھی۔امی بتاتی ہیں کہ وہ لوگ لالٹین کی روشنی میں پڑھتی تھیں۔دیگرسہولتوں کاکیاذکرکرنا۔جب بجلی ہی نہیں توباقی ضروریات زندگی کیسی ہونگی۔اندازہ کیجئے کہ سترسال پہلے کی ایک مسلمان خاتون اس قدرپُرعظم تھی کہ کسی بھی سہولت کے بغیربوٹنی جیسے مشکل مضمون میں تعلیم حاصل کی۔اگرشرح خواندگی کااندازہ لگایاجائے توتقسیم ہندسے پہلے مسلمان خواتین میں تعلیم نہ ہونے کے برابرتھی۔شائدایک یادوفیصد۔ہندسوں میں کیارکھاہے۔عورتوں کاکیاذکرکرنا،بنیادی طورپرمسلمانوں میں تعلیم کارجہان بے حدکم تھا۔ویسے آج بھی مسلمان تحقیق اورسائنس کے میدان سے بہت دورزندگی گزاررہے ہیں۔

پاکستان آکرحالات بالکل تبدیل ہوگئے۔تصورکرنامحال ہے کہ اس وقت کے لوگوں نے کن کن مشکلات اورعذاب جھیلے

ہونگے۔ نئے لوگ، نئے معاشرے، نئی زبان اور سب سے بڑھ کر معلوم سے نامعلوم کی طرف سفر۔ ترکِ وطن کے دکھ اور تکلیف سے گزرنا بذاتِ خود ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ میرے سے پہلی نسل نے مشکلات کا یہ سمندر بھی عبور کیا ہے۔ والدہ کا علی گڑھ سے لائل پور کیسے آنا ہوا۔ بالکل نہیں جانتا۔ مگر جب مجھے تھوڑی سی ہوش آئی تو وہ کارخانہ بازار میں واقع خواتین کے گورنمنٹ کالج میں لیکچرار تھیں۔ آخری دم تک پڑھاتی رہیں۔ مختلف خواتین کے کالجوں کی پرنسپل رہیں۔ تقریباً تیس پینتیس برس شعبہ تعلیم سے منسلک رہنے کے بعد ریٹائر ہوئیں اور پھر اپنا سکول کھول لیا۔ والدہ نے اپنی برسوں کی روٹین تبدیل نہیں کی۔ پہلے کالج میں پڑھاتی تھیں۔ پھر اپنے سکول میں تعلیمی کام شروع کر دیے۔ مجھے کیڈٹ کالج حسن ابدال اور کنگ ایڈورڈ کالج تک پہنچانے میں والدہ کا ہاتھ سو فیصد سے بھی زیادہ تھا۔ انتہائی فعال بامقصد اور مصروف زندگی گزار رہی تھیں۔ پورے خاندان کو سنبھال رکھا تھا۔

ایک دن فون آیا کہ انہیں فالج کا حملہ ہوا ہے۔ لاہور میں تھا۔ فیصل آباد تک پہنچنے کے دو گھنٹے میرے زندگی کے کٹھن ترین اوقات میں سے ایک ہیں۔ ہسپتال پہنچا تو والدہ ابھی تک بے ہوش تھیں۔ فالج کی بدولت بدن کا ایک حصہ تقریباً بے جان ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ انکی حالت بہت نازک ہے۔ ڈاکٹر سے پوچھا کہ کیا میں انہیں لاہور لے جا سکتا ہوں۔ جواب انتہائی مشکل تھا۔ ہاں، مگر اپنی ذمہ داری پر۔ زندگی کے مشکل فیصلوں میں سے ایک فیصلہ تھا کہ والدہ کو بیہوشی کی حالت میں لاہور لیکر جانا ہے۔ ایمبولینس میں ایک نرس اور ڈاکٹر بٹھایا۔ خود بھی بیٹھ گیا۔ خدا کا نام لیکر والدہ کے ساتھ لاہور روانہ ہو گیا۔ یقین کیجئے کہ میری نظر مسلسل اپنی ماں پر مرکوز تھی۔ ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے بار بار نبض دیکھتا تھا اور کبھی بلڈ پریشر چیک کرتا تھا۔ یہ اذیت ناک سفر میرے ذہن پر آج بھی نقش ہے۔ ہر لمحہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اب کچھ ہوا کہ اب ہوا۔ اسی بے ہوشی کے عالم میں لاہور کے ایک ہسپتال پہنچ گئے۔ یاد ہے کہ پانچ چھ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے انکو چیک کیا۔ آج تک ان انجان ڈاکٹروں کا شکر گزار ہوں۔ بے ہوشی کئی دنوں بعد ختم ہوئی۔ اس عرصے میں میری بہنوں اور اہلیہ نے جس طرح والدہ کی خدمت کی، میں مرتے دم تک اس احسان کا بدلہ نہیں دے سکتا۔ ہوش آیا تو آدھا بدن فالج کی بدولت بے جان تھا مگر ذہن مکمل طور پر مستعد تھا۔

پہلی بار اندازہ ہوا کہ فالج کس طرح انسان کی زندگی کو برباد کر دیتا ہے۔ انسان سانس تو لیتا ہے، مگر دنیا سے کٹ کر رہ جاتا ہے۔ جب ہسپتال سے پہلی بار گھر لیکر آیا تو فیصلہ کیا کہ انہوں نے جتنی مصروف بلکہ ریاضت والی زندگی گزاری ہے، انکو کسی طرح بھی مکمل آرام اور سکون کے چند پل مہیا کر پاؤں۔ پتہ نہیں کہ کامیاب رہا یا ناکام۔ مگر اسکے بعد ہر چیز تبدیل ہو گئی۔ والدہ فیصل آباد میں اپنے گھر میں رہنے کی عادی تھیں۔ پہلا فیصلہ کیا کہ لاہور میں اپنے گھر کو انکا گھر بنا دوں۔ انہیں سب نے یقین دلایا کہ ہم سارے انکے گھر میں رہ رہے ہیں۔ جو سہولتیں مہیا کر سکتا تھا، کوشش کر کے مہیا کیں۔ مگر فالج آہستہ آہستہ انہیں اندر سے کھا رہا تھا۔ چند ہفتے لاہور رہیں۔ پھر کہنے لگیں کہ فیصل آباد جانا ہے۔ ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ ضد کیا، انکا حکم تھا۔ بہر حال فیصل آباد گئیں تو جس طرح میری بھابھی اور چھوٹے بھائی مبشر نے انکی خدمت کی، وہ احسان بھی چکا نہیں سکتا۔ میری بھابھی ڈاکٹر ہیں۔ اس نیک خاتون نے بہو نہیں بلکہ بیٹی بنکر سب کچھ کیا۔ خدا ہی انکو اسکا اَجر دے سکتا ہے۔ امی نے فیصلہ کیا کہ زیادہ عرصے لاہور رہینگیں اور پھر چند ماہ بعد، فیصل

آباد جایا کرینگی۔ ہر ایک نے من وعن فیصلہ تسلیم کیا۔ میری جہاں بھی لاہور سے باہر پوسٹنگ ہوئی، والدہ کو میں نے اپنے ساتھ رکھا۔ ڈی سی نارووال اور گوجرانوالہ میں بھی میرے ساتھ تھیں۔ جس صورت کو میں نے ہر دم کام کرتے دیکھا تھا۔ اسے اتنی بے کسی کی حالت میں دیکھنا اَزحد مشکل تھا۔ کمرے میں جا کر کہتا تھا کہ بس ایک ماہ میں آپ مکمل صحت یاب ہو جائینگی۔ اسکے بعد ہم دونوں گراؤنڈ میں دوڑ لگائینگے۔ یہ دلاسہ سن کر ماں کے چہرے پر مسکراہٹ آ جاتی تھی۔ ہنسنے لگتی تھیں کہ ہاں بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ مکمل طور پر صحت یاب ہو جاؤنگی۔ کمرے سے باہر آ کر میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔ کیونکہ بطور ڈاکٹر مجھے علم تھا کہ فالج کا مریض مکمل طور پر صحت یاب کبھی نہیں ہوتا۔ مگر پھر بھی کوشش کرنی تو مکمل طور پر صائب بات ہے۔

دونوں بیٹوں، مبارز اور حمزہ کو کہہ رکھا تھا کہ سکول سے آ کر پہلا کام یہ کرنا ہے کہ دادی کے کمرے میں جا کر انکے پیر دبانے ہیں۔ انہیں سلام کرنا ہے۔ دعائیں لینی ہیں۔ یہ روٹین آخری دم تک قائم رہی۔ فالج کی صورتحال میں امی آٹھ سال زندہ رہیں۔ کئی بار ڈاکٹروں نے کہا کہ روزے نہ رکھیں۔ آپ مریض ہیں۔ علماء دین نے بھی یہی فرمایا کہ اس مرض میں روزے معاف ہیں۔ مگر مہلک بیماری کی حالت میں بھی مسلسل روزے رکھتی رہیں۔ آخری چند سالوں میں اَزحد عبادت شروع کر دی۔ اسی حالت میں نماز پڑھتی رہیں۔ ہر وقت تسبیحات میں مصروفِ کار رہتی تھیں۔ انکے کمرے میں جا کر مجھے عجیب سا سکون ملتا تھا۔ لگتا تھا کہ کسی بزرگ کے کمرے میں آ گیا ہوں۔ والدہ اپنے کمرے سے بہت کم باہر آتی تھیں۔ ایک دن شام کے وقت لاؤنج میں آئیں۔ یہ غیر معمولی بات تھی۔ مجھے غور سے دیکھا اور واپس چلی گئیں۔ انکا یہ اشارہ سمجھ ہی نہ پایا۔ انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ دراصل وہ بتانا چاہتی تھی کہ یہ میری اور انکی آخری ملاقات ہے۔ امی شام کو بڑے آرام سے جہان فانی سے چلی گئیں۔ میرے بالکل سامنے۔ بالکل سامنے۔ بے بسی سے دیکھتا رہا۔ لاچارگی کا شدید احساس ہوا۔ اس دن سے لیکر آج تک زندگی تو ہے، مگر ہر چیز بدل گئی ہے۔ کوئی انتظار کرنے والا نہیں۔ کوئی کہنے والا نہیں کہ کھانا کھا لیا ہے کہ نہیں۔ کیسے ہو۔ میری خوشیوں اور غموں کو محسوس کرنے والا اب کوئی بھی نہیں ہے۔ سب کچھ بوجھل سا ہو چکا ہے۔ قدرت کا قانون ہے۔ حکم ربی ہے۔ مگر سوچتا رہتا ہوں کہ مائیں ہمیں چھوڑ کر اتنی جلدی کیوں چلی جاتی ہیں!

راؤ منظر حیات